ڈاکٹر سلمان علی

تحقیقی مواد کا حصول

Acquisition of Research Material

Dr. Salman Ali, Lecturer, Department of Urdu, University of Peshawar.

Abstract:

Acquisition of proposal material for research is a great achievement on the part of the research scholar. It is by no means an essay task to acquire such material. In this article, various methods of getting research material have been spelled out and, at the same time, researchers have been motivated to benefit from such material so as to facilitate the task of academic and literary research.

تحقیق میں زیرِ بحث مسئلے کے بارے میں تسلی بخش مواد کا حصول تحقیق کی ایک اہم منزل ہے۔ محقق کو اس منزل تک پہنچنے میں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مواد کی حصول یابی جہاں محقق کا عزمِ صمیم اور قوتِ ارادی سے کٹھن راستے آسان بن جاتے ہیں وہاں پروفیسر عبدالستار دلوی کے بقول:

> ''مواد کی فراہمی میں محقق کو ایک جاسوس کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں اور اس کو مکھیوں کے ذریعے شہد کی فراہمی جیسی محنت و مشقت سے کام لینا پڑتا ہے۔''[۱]

ایک محقق تحقیقی مواد کے حصول میں جتنی عرق ریزی، جانکاری اور محنت و مشقت کا مظاہرہ کرے گا اتنا ہی اس کے لیے نتائج کے استخراج میں آسانی پیدا ہوگی اور دوسری طرف مقالے کی وقعت میں بھی اضافہ ہوگا۔ اگر ایک محقق تحقیقی مواد کے حصول میں محنت و مشقت سے کام نہ لے تو نہ صرف اس کے استخراجی نتائج پھنس پھسے ہوں گے بلکہ مقالے کی وقعت بھی نہیں رہے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ محقق مواد کو تمام ممکن ذرائع سے اکٹھا کرنے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں ذرّہ برابر یا ذرا سی کوتاہی اور تساہل پسندی کا مظاہرہ نہ کرے، مواد کو حاصل کرنے کے عام طور پر دو اہم ذرائع ہیں ایک سرکاری کتب خانے اور دوسرا عوامی

ذرائع ،ویسے تو ہر اسکول کالج اور یونیورسٹی میں کتب خانے موجود ہوتے ہیں جس میں ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ کتابیں مل جاتی ہیں۔ اسکول کتب خانہ عام طور پر اسکول سطح کے طالب علموں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اس طرح کالج اور یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات کے بھی اپنے اپنے کتب خانے ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ ان میں ایک محقق کو اپنا سارا مواد مل جائے اس لیے ضروری ہے کہ ان نجی کتب خانوں کی طرف بھی محقق رجوع کرے، جس کو زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنی شبانہ روز محنت اور ذوق و شوق سے ذخیرہ کیا ہوتا ہے۔

نجی کتب خانوں میں دو طرح کے ذخیرے (Collections) سامنے آتے ہیں۔ ایک وہ جو کسی خاص شخصیت، خاص صنف یا کسی خاص موضوع پر مواد کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ دوسرے وہ نجی کتب خانے جس میں ایسی کوئی خصوصیت پیشِ نظر نہیں ہوتی بلکہ وہاں متنوع موضوعات پر کتب، رسائل اور باقی مواد کا ذخیرہ ہوتا ہے۔

اوّل الذکر کتب خانوں میں ڈاکٹر سیّد معین الرحمان کا ''غالبیات'' پر[۲] افضل حق قریشی کا ابوالکلام آزاد پر [۳] شاہد حنائی [۴] اور سیّد انیس شاہ گیلانی کا خاکہ نگاری اور اس پر تحقیق و تنقید[۵] ضیاء اللہ کھوکھر کا سفرنامہ [۶] ڈاکٹر طارق سلیم مروت کا خودنوشت سوانح عمریوں پر[۷] وغیرہ ایسے بیش بہا ذخائر کتب و رسائل ہیں جو ان متعلقہ اصناف، شخصیات اور موضوعات پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہیں۔ اس طرح ''عبدالمجید کھوکھر یادگار لائبریری'' میں رسائل و جرائد کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہے۔ چار ہزار کے قریب مختلف رسائل کے مکمل نامکمل فائل اور متفرق شمارے اس لائبریری کی زینت ہیں۔ [۸]

ان مخصوص ذخائر کتب کے علاوہ ایسے نجی کتب خانے بھی ہیں جن میں ہر موضوع پر کتابیں ملتی ہیں۔ ان کتب خانوں میں حق نواز صاحب کا کتب خانہ تقریباً چار ہزار [۹] خواجہ اسد حضروی کا ''میرا کتب خانہ'' میں تقریباً دس ہزار کتب و رسائل [۱۰] رشید اختر کا کتب خانہ تقریباً ڈھائی ہزار کتب و رسائل [۱۱] نذر صابری صاحب کا کتب خانہ تقریباً چھے ہزار کتب و رسائل[۱۲] پرویش شاہین صاحب کا ''گندھارا ریسرچ سینٹر'' تقریباً بیس ہزار کتب و رسائل [۱۳] خاطر غزنوی کا ذاتی کتب خانہ تقریباً تیس ہزار کتب و رسائل[۱۴] میاں سعید الرحمان کا ذاتی کتب خانہ تقریباً دس ہزار کتب و رسائل [۱۵] ڈاکٹر محمود فیضانی کا ''فیضانی لائبریری'' میں تقریباً پانچ ہزار کتب و رسائل [۱۶] عبدالجبار شاکر تقریباً پچاس ہزار کتب و رسائل [۱۷]

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

ڈاکٹر وحید قریشی کا ذاتی کتب خانہ تقریباً ساٹھ ہزار کتب و رسائل [18] رفیع الدین ہاشمی کا ذاتی کتب خانہ تقریباً بیس ہزار کتب و رسائل پر مشتمل ہے۔ [19] اسی طرح خلیل الرحمان داؤدی مرحوم [20] اور مشفق خواجہ مرحوم [21] کے ذاتی کتب خانوں میں مخطوطات اور کلاسیکل ادب کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ مشفق خواجہ نے تقریباً تمام پاکستانی مخطوطات کی فہرست نہایت شرح وبسط سے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح علی ارشد ۳۰ ہزار کتب [22] ڈاکٹر انور محمود خالد کا ذاتی کتب خانہ جس میں تقریباً ۲۰ ہزار کتب [23] اور سردار میاں مسعود اور سردار میاں محمود کا ''سردار پور جھنڈیر ریسرچ لائبریری''، میلسی جس میں ایک لاکھ کتب اور ۵۰ ہزار سے زائد رسائل کا نادر و نایاب ذخیرہ موجود ہے۔ [24]

ان کتب خانوں کے علاوہ قلندر آباد (ایبٹ آباد) کے پُرفضا مقام پر ڈاکٹر صابر کلوروی کا ''علاّمہ اقبال یادگار لائبریری'' تقریباً ۲۷ ہزار کتب و رسائل پر مشتمل اچھی لائبریری ہے جس میں اقبال، اُردو ادب، تاریخ، اسلامیات وغیرہ جیسے موضوعات پر نادر کتابیں اور رسائل ذخیرہ کی گئی ہیں۔ اس کتب خانے کی دو خصوصیات ہیں۔ ایک ہندوستانی کتب کا وہ ذخیرہ جس سے ہم پاکستانی عام طور پر بے خبر ہوتے ہیں۔ دوسرے ڈاکٹر صابر کلوروی کی شخصیت، جو معاملاتِ کتب میں بہت شفیق اور تحقیقی کاموں میں مددگار رہے۔ یہ تمام اصحاب اور ان کے ذاتی کتب خانے ریسرچ اسکالرز کے لیے مینارۂ نور ہیں ان جگہوں سے کثیر مقدار میں مواد کا سرمایہ جمع ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بھی اپنی کتاب ''تحقیق کا فن'' میں ہندوستان کے ایسے بہت سے نجی کتب خانوں کا ذکر کیا ہے جو بعض موضوعات کی مخصوص لائبریریاں ہیں۔ [25] اس کے علاوہ ملک کے مختلف عجائب گھروں میں بھی تاریخی مواد اور دستاویزات محفوظ کی جاتی ہیں۔ مثلاً: لاہور کا عجائب گھر، ''نیشنل میوزیم''، کراچی اور سرکاری ریکارڈ کو محفوظ کرنے کے لیے مختلف آرکائیوز ملک کے بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ جیسے لاہور میں ''پنجاب آرکائیوز'' اور اسلام آباد میں ''نیشنل آرکائیوز''، پشاور میں ''پشاور آرکائیوز'' حصولِ مواد کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔

ملک کے مختلف شہروں میں سیکنڈ ہینڈ کتب کے بازار اور کتابوں کی نمائشیں خاص خاص دنوں میں شائقین کتب کے لیے منعقد کی جاتی ہیں جس میں اکثر پرانی اور بیش قیمت کتابیں اور تحقیقی مواد سستے داموں مل جاتی ہیں، لاہور، اسلام آباد، کراچی اور پشاور میں بعض تاجران کتب سے اس سلسلے میں ملاقات فائدہ مند ثابت ہوسکتی ہے۔

کتب خانوں کے علاوہ تحقیقی مواد کے حصول کا دوسرا ذریعہ عوامی ہے۔ بعض اوقات اور روایات کی تصدیق صرف عوام کے ذریعے ہوتی ہے۔ عوامی ذرائع میں عام طور پر سوال نامے، انٹرویو اور سروے شامل ہیں۔ ان ذرائع سے بہت سی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

سوال نامے میں ایسے سوال پوچھے جاتے ہیں جن کے جواب دوسرے ذرائع سے ملنا مشکل ہوں۔ اس طرح انٹرویو یا باضابطہ ملاقات بھی ایک طرح کا سوال نامہ ہے جو نظریاتی مباحث اور عقیدوں کی چھان بین کے لیے ایک مؤثر ذریعہ ہے ڈاکٹر گیان چند، تحقیقی مواد کے حصول میں ان دونوں طریقہ ہائے تحقیق پر اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

> ''انگریزی کتابوں میں سوال نامے کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ سماجی سائنس کے مضامین میں زیادہ مفید ہے جہاں اعداد وشمار کا مواد (Data) اکٹھے کرنا ہوتے ہیں ادب میں چنداں مفید نہیں۔ سوالنامہ ملاقات کا نعم البدل نہیں۔ سوالنامے میں یہ فائدہ ہے کہ یہ زیادہ لوگوں تک پہنچ سکتا ہے لیکن اس کے جوابات میں گہرائی نہیں ہوتی۔ اُردو ادب کی تحقیق میں سوال نامے کی افادیت محدود بلکہ مشکوک ہے ہاں کسی امر خاص کے بارے میں ماہرین کو چٹھی لکھ کر استفسار کیا جائے تو مناسب ہے''۔ [26]

گیان چند کے خیالات سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا مگر بعض شخصیات سے بالمشافہ ملاقات بسا اوقات ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتی ہے اس لیے مجبوراً سوال نامے یا استفسار جو انٹرویو کا نعم البدل تو نہیں ہوسکتا مگر پھر بھی اس طریقے سے مواد کا حصول عمل میں آتا ہے۔

شمس الدین صدیقی کی شخصیت اور اُن کی اقبال شناسی پر تحقیقی کام کرتے ہوئے میرے لیے موصوف سے ملاقات کرنا مشکل تھا۔ کیوں کہ ایک تو وہ امریکہ میں تھے اور میں پشاور میں، دوسری طرف صدیقی صاحب کینسر کے مریض بھی تھے۔ اگر بالمشافہ انٹرویو کی صورت نکل بھی آتی تو بھی ان کی صحت زیادہ باتوں کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لیے انھوں نے میرے استفسارات کے ساتھ سوال نامے جیسا سلوک کر کے بھیجا۔ اب انھی بنیادی اور مختصر تحقیقی مواد کو ذہن میں رکھ کر میں نے مزید مواد کی تلاش دوسرے ذرائع سے شروع کر دی جس میں مجھے بہت حد تک کام یابی حاصل ہوئی۔

اکثر محققین استفسار سے حاصل کیے ہوئے مواد پر مزید تحقیق نہیں کرتے مگر سوال نامہ میں درج ''ہوں''، ''ہاں'' کے حقائق کی تلاش اور کھوج میں اور بھی بہت سی چیزوں اور نئی باتوں کے سامنے آنے کا امکان ہوتا ہے، اس لیے جہاں ایک سوال نامے میں بقول گیان

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

چند ''گہرائی کا عنصر مفقود ہوتا ہے'' وہاں میرے خیال میں اس کی سطحیت محقق کو نہ صرف مزید تحقیق پر آمادہ کرتی ہے بلکہ اس طرح محقق پر نئے راستے بھی آشکار ہوتے رہتے ہیں جس کا شاید محقق کو خود بھی پتا نہیں ہوتا اور اس طرح نئے سے نیا مواد ملتا رہتا ہے۔

کسی ادیب یا شخصیت پر تحقیقی کام کرتے ہوئے جہاں لائبریریوں اور کتابوں سے مواد ہاتھ آ سکتا ہے وہاں اگر اس شخصیت کے ذاتی کاغذات (جو عموماً منتشر قسم کے ہوتے ہیں)، خطوط، تاریخی اور قانونی دستاویزات، بہ شمول مقدّمے کی مِسل (مقدّمے کی فائل)، وصیت نامے، بیع نامے، زائچے، درس گاہوں میں داخلے اور امتحان کے فارم، سروس ریکارڈ، انکم ٹیکس ریکارڈ، طبی ریکارڈ، پاسپورٹ، راشن کارڈ، گاڑی، ریڈیو، ٹی وی، اسلحہ وغیرہ کا لائسنس بیش قیمت اوّلین مآخذ ہوں گے۔ ان مآخذ میں خطوط کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اس سلسلے میں گیان چند کی بات بالکل صحیح ہے کہ:

> ''ادیبوں کے خطوط کی اہمیت اظہر من الشّمس ہے ان میں ایک طرف علمی و ادبی معاملات پر بحث ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف ان میں ان کی ذات بے نقاب ہوکر سامنے آتی ہے''۔ ۲۷

ادیبوں کے خطوط کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور یقیناً اس طرح بہت کچھ ہاتھ آ سکتا ہے مگر ان ادیبوں کی ذات کے حوالے سے بہت سی معلومات، اس ادیب کے وطن اور شہر سے براہِ راست مل سکتی ہے اس لیے اس علاقے اور شہر کا دورہ ضرور کرنا چاہیے جہاں اس کی زندگی کا زیادہ حصّہ گذرا ہو اسی طرح ان کے خاندان، اعزا و اقارب، رفیق کاروں اور شاگردوں سے بہت کچھ مل سکتا ہے علاوہ ازیں نائی، دھوبی، دکاندار، کتب فروش، اخبار والا، سبزی والا، دودھ والا، امام مسجد اور قریبی ہمسایوں وغیرہ سے بھی ایک ادیب کی ذات کے بہت سے چھپے گوشے آشکارہ ہوسکتے ہیں۔

تحقیقی مواد کے حصول میں سمعی و بصری مواد بھی کارآمد ثابت ہوسکتا ہے بصری مواد میں فلم، ٹیلی ویژن وغیرہ پر مختلف ادیبوں اور شخصیات پر فلم یا ان کے متعلق دستاویزی پروگراموں سے کافی مواد ہاتھ آ سکتا ہے۔ مثلاً غالبؔ کی زندگی پر ہندوستان و پاکستان میں نہ صرف فلمیں اور ڈرامے ٹیلی کاسٹ کیے جاچکے ہیں بلکہ ان دستاویزی پروگرام اور ان کے فن پر بحث و مباحثے بھی دکھائے گئے ہیں۔

مرزا غالبؔ پر اب تک جتنی فلمیں بنائی جاچکی ہیں ان میں سب سے معیاری گلزار کی بنائی ہوئی فلم ہے۔ جس میں نصیر الدین شاہ نے غالبؔ کا کردار اس بھرپور انداز سے نبھایا ہے کہ فسانے پہ حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ وڈیو کے ساتھ ساتھ آڈیو کیسٹز بھی اس سلسلے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اسی طرح رسائل و جرائد اور روزناموں میں بھی معتبر اور تحقیق کا بیش بہا مواد بکھرا ہوتا ہے۔ پاکستان میں رسائل و جرائد کے نجی و سرکاری ذخائر کا ذکر تو ہو چکا ہے ہندوستان میں رسالوں کے بڑے ذخیرے خدا بخش لائبریری پٹنہ، انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، لکھنؤ یونیورسٹی لائبریری، ندوۃ العلماء لائبریری، لکھنؤ، ادارۂ ادبیات اُردو، حیدرآباد دکن، مرکزی یونیورسٹی حیدرآباد دکن، جموں یونیورسٹی اور اس طرح نجی ذخیروں میں عبدالصمد خان کے اُردو ریسرچ سینٹر میں گیان چند کے بقول ''سب سے زیادہ مکمل فائلیں ہیں اتنی مکمل کہ بڑے بڑے کتب خانوں میں بھی نہیں مل سکتیں''۔ ۲۸

اتنے ڈھیر سارے رسالوں کو دیکھنا مشکل کام ہے اس لیے رسائل و جرائد کے اشاریوں پر جو تحقیقی کام ہو رہا ہے اور ہو چکا ہے وہ دیکھ لینا کافی ہے اس طرح کم وقت میں نہ صرف زیادہ مواد سامنے آ جاتا ہے بلکہ کام میں آسانی بھی پیدا ہوجاتی ہے۔

ڈاکٹر صابر کلوری اور منصب خان صاحب نے اس اشاریہ سازی کے سلسلے میں اچھا خاصا کام کرلیا ہے جو میرے خیال میں اب بھی جاری ہے۔ اس طرح ''خدابخش لائبریری'' نے رسالوں کے تقریباً ۳ لاکھ کارڈز بنوالیے ہیں (یاد رہے یہ اعداد و شمار ۱۹۹۰ء تک کے ہیں، اب تک یقیناً اس میں کافی اضافہ ہو چکا ہوگا)۔

اخبارات بھی تحقیق کا معتبر ماخذ ثابت ہوتے ہیں۔ کسی ادیب کی وفات، یا کسی اعزاز وغیرہ کے بارے میں خبریں شایع ہوتی ہیں اس لیے معاصر اخبارات کا اندراج ایک مستند حوالہ ہے۔ پرانے اخبارات کو عام طور پر ملک کے مختلف آرکائیوز میں محفوظ کرلیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں انڈیا آفس لائبریری اور لائبریری آف کانگریس نے پرانے اخبارات کو مائکروفلم کے ذریعے محفوظ کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔

''انگریز محقق رچرڈ ایلٹک کی کتاب "The Art of Literary Research" سے مائکروفلم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ان کی تحقیق کے مطابق ''لائبریری آف کانگریس''،

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

واشنگٹن امریکہ میں ۱۹۶۲ء کے وسط میں ۲۸۰۰ / ۷ اخباروں کی مائکروفلمیں موجود تھیں''۔ ۲۹

آج کل تو اخبارات ہی نہیں کتابیں بھی مائکروفلم پر مل جاتی ہیں۔امریکہ میں ''مشی گن یونیورسٹی'' نے اس سلسلے میں کافی کام کیا ہے اور اب تو وہاں مائکروفلموں کا باقاعدہ ایک ادارہ سرگرمِ عمل ہے جو ڈاکٹریٹ کے مقالوں کی فہرست اور دوسرے تحقیقی مواد کو مائکروفلم پر منتقل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

تحقیقی مواد کے حصول میں لوحیں، قبروں کے تعویذ، دیواروں پر لوحیں، مقبروں کے گنبد دروازوں پر نقوش سے تاریخِ پیدائش، وفات کے علاوہ اور بھی ایسا اچھا دل چسپ مواد مل سکتا ہے جو نہ صرف تحقیق کو آگے بڑھانے میں ممد و معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس سے زیرِ تحقیق موضوع کی نئی جہتیں بھی سامنے آتی رہتی ہیں۔ مثلاً: سعادت حسن منٹو کی قبر پر نصب کتبہ، محققین کے لیے مواد کے ساتھ ساتھ دل چسپی کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

تاریخِ پیدائش: ۱۱مئی ۱۹۱۱ء

''یہاں سعادت حسن منٹو دفن ہے۔اس کے سینہ میں فنِ افسانہ نگاری کے سارے اسرار و رموز دفن ہیں۔ وہ اب بھی منوں مٹی کے نیچے سوچ رہا ہے کہ وہ بڑا افسانہ نگار ہے یا خدا؟''

سعادت حسن منٹو

۱۸/ اگست ۱۹۵۴ء

(تاریخِ وفات: ۱۸جنوری ۱۹۵۵ء)

یہ کتبہ منٹو کی قبر پر اب بھی موجود ہے اور اس زمانے یعنی ۳۱ جنوری ۱۹۵۵ء کے روزنامہ ''تعمیر'' راولپنڈی کے سنڈے ایڈیشن میں بھی چھپا۔ اس کتبے سے نہ صرف منٹو کی صحیح تاریخِ ولادت و وفات کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ان کی ذات کے چھپے گوشوں تک رسائی بھی ممکن ہوجاتی ہے۔

مذکورہ تمام مواد تک پہنچنا اور انھیں حاصل کرنا مشکل کام ہے۔ اب لائبریریوں کو دیکھیں وہاں ایک کتاب عموماً اپنے مقام کے بجائے کس دوسرے خانے میں پڑی رہتی ہے۔راقم الحروف جب بھی مواد کی تلاش میں کسی کتب خانے وغیرہ کا دورہ کرتا ہے تو یہ دو ضرب الامثال ذہن میں گونجنے لگتی ہے کہ ''کھودا پہاڑ نکلا چوہا'' اور ''آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل'' وجہ یہ ہے کہ لائبریری کا عملہ ادب کا محقق یا ماہر نہیں، اس لیے عام قارئین بھی ان کی اس کمی

کے باعث سہل پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیلف میں سے کتاب نکال کر اس کی اصل جگہ کے بجائے، دوسری جگہ رکھ دیتے ہیں۔ دوسرے مواد کے حصول میں، متعلقہ اصحاب کے رویوں اور عدم دل چسپی کی وجہ سے تحقیقی کاموں میں خاصی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل کافی حد تک اکیسویں صدی کے محقق نے چھٹکارا حاصل کرلیا ہے۔

کمپیوٹر کی ایجاد نے محقق کے ہاتھ وقت کی طناب تھما دی ہے اور وہ کام جو ہم برسوں پایہ تکمیل تک پہنچانے سے قاصر تھے اب وقت کا محقق اک جست سے اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے:

پس نوشت

سندھ میں ایسے کتب خانے موجود ہیں جہاں اُردو سمیت دنیا کی بیشتر زبانوں سے متعلق بہ کثرت علمی و ادبی مواد دستیاب ہے۔

کراچی میں انجمن ترقی اُردو، غالب لائبریری، بیدل لائبریری، اُردو ڈکشنری بورڈ، مجلسِ علمی، تیموریہ لائبریری، کراچی یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری، ہمدرد یونیورسٹی کے کتب خانے، ساداتِ امروہہ کا کتب خانہ، نیشنل بینک اور اسٹیٹ بینک کے کتب خانے، جب کہ یہاں شخصی کتب خانوں کا شمار آسان نہیں ہے۔ کچھ نام جو فوری طور پر ذہن میں آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر اسلم فرخی، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری، حمایت علی شاعر، ڈاکٹر ریاض الاسلام، خالد اسحاق ایڈووکیٹ، لطف اللہ خان، ایس ایم شاہد، خواجہ حمید الدین شاہد، مدبّر رضوی، سیّد علی رضوی، ڈاکٹر آصف فرخی، اجمل کمال، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، پروفیسر سحر انصاری، نسیم درانی، رفیق احمد نقش اور صبیح رحمانی وغیرہم۔

خیر پور میں، پیر پگارہ صاحب کا کتب خانہ، سچل سرمست لائبریری، کنڈیارو میں قاسمیہ لائبریری، کوٹری کبیر میں غوث محمد مہر صاحب کا کتب خانہ، نوشہرو فیروز میں غلام حسین جلبانی (مرحوم)، لاڑکانہ میں ڈاکٹر دُر محمد پٹھان صاحب، میرپور خاص میں ڈاکٹر محمد یوسف میمن صاحب، ٹنڈو آدم میں عبداللہ وریا (مرحوم)، دربیلو میں سیّد صاحب، بدین میں ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو صاحب کے کتب خانے قابل ذکر ہیں۔

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

ان کے علاوہ اندرونِ سندھ ٹھٹھہ، سجاول، جاتی، گھارو، ٹنڈو محمد خان وغیرہم میں قابلِ ذکر شخصی کتب خانوں کے علاوہ مدارس اور مساجد میں نادر کتابیں اور قلمی کتابوں کے بہت ذخیرے ہیں جن کی آج تک فہرست سازی بھی نہیں ہوئی ہے۔

جام شورو میں سندھی ادبی بورڈ اور سندھ یونیورسٹی میں علامہ آئی آئی قاضی مرکزی لائبریری اور سندھالوجی، حیدرآباد میں داؤد پوتا لائبریری جب کہ شخصی کتب خانوں میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی اور ڈاکٹر الیاس عشقی کے کتب خانے شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر الیاس عشقی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں کتابوں کا ایک بڑا حصہ لانگاہ لائبریری، ملتان کو دے دیا تھا بقیہ ذخیرہ اُن کے لواحقین کے پاس محفوظ ہے۔(مدیر)

حواشی

۱۔ مضمون بہ عنوان ''تحقیقی عمل کے مراحل''، ''اُردو میں اُصولِ تحقیق''، جلد اوّل، مرتبہ: سلطانہ بخش، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، مشمولہ ص۱۰۲۔

۲۔ لاہور میں واقع ہے۔(پاکستان، صوبۂ پنجاب)

۳۔ لاہور میں سانده کے مقام پر (پاکستان، صوبۂ پنجاب)

۴۔ سندھ میں بدین کے مقام پر (پاکستان، صوبۂ سندھ)

۵۔ رحیم یار خان میں صادق آباد کے مقام پر ۱۵/ہزار کتب کا ذخیرہ (پاکستان، صوبۂ پنجاب)

۶۔ عبدالمجید کھوکھر، یادگار لائبریری، پاکستان، گوجرانوالہ۔

۷۔ پشاور سے ۲۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر لکی مروت کے مقام پر واقع ''گوشۂ عافیت'' جو تقریباً ۹ ہزار کتب پر مشتمل ہے۔ یہاں آپ بیتیوں کے ایک اچھے خاصے ذخیرے کے ساتھ ساتھ صوبۂ سرحد اور افغانستان کے متعلق Ethnography کا ذخیرہ بھی ہے۔ پرانا اسلحہ، تلواریں، ڈھالیں، نیزے، تیر کمان، توڑے دار بندوقیں، پستولیں، خنجر، سکے، تمغے اور ان کے متعلق معلومات کا ذخیرہ۔ علاوہ ازیں ''گوشۂ عافیت'' کی ایک خصوصی ''فلیگ سوسائٹی آف پاکستان'' بھی ہے جو اپنی نوعیت کا پرچموں کے متعلق علم اور اس کے فروغ کا ادارہ ہے جو ایشیا میں اپنی نوعیت کا پہلا اور واحد ادارہ ہے۔

۸۔ ''نوادرات''، مرتبہ: ضیاء کھوکھر، ص۳۔

۹۔ حضرو میں پیرزئی کے مقام پر (پاکستان، صوبۂ پنجاب)

۱۰۔ حضرو میں پیرزئی سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔(پاکستان، صوبۂ پنجاب)

۱۱۔ حضرو (پاکستان، صوبۂ پنجاب)

۱۲۔ نذر صابری (ریٹائرڈ لائبریرین)، کیمبل پور کالج اٹک پاکستان، صوبۂ پنجاب) یہی ان کا ذاتی کتب خانہ بھی ہے۔

۱۳۔ سوات بمقام منگلور ملاکنڈ ڈویژن (پاکستان، صوبۂ سرحد)

۱۴۔ پشاور بہ مقام گلبہار (پاکستان، صوبۂ سرحد) خاطر صاحب نے اب یہ کتب خانہ قرطبہ یونیورسٹی، شعبۂ اُردو کو بطور عطیہ دے دیا ہے۔

۱۵۔ پشاور بمقام تہکال (پاکستان، صوبۂ سرحد) میاں صاحب نے اب یہ کتب خانہ شعبۂ اُردو پشاور کو بہ طور عطیہ دے دیا ہے۔

۱۶۔ ڈاکٹر محمود فیضانی، پاکستان بمقام ایبٹ آباد، صوبۂ سرحد۔

۱۷۔ یہ کتب خانہ پہلے شیخوپورہ میں تھا۔ آج کل لاہور بمقام منصورہ منتقل کر دیا گیا ہے۔ اب یہ کتب خانہ ایک ٹرسٹ میں تبدیل ہوگیا ہے جس سے عام شائقین کتب بھی استفادہ کرتے ہیں۔ شاکر صاحب کے اس کتب خانے کی خصوصیت مخطوطات کا ایک وافر ذخیرہ ہے۔ جو غالبًا پاکستان کا سب سے بڑا نجی ذخیرہ ہے۔

۱۸۔ لاہور (پاکستان، صوبۂ پنجاب) موصوف نے اب یہ کتب خانہ ''گورنمنٹ کالج، یونیورسٹی''، لاہور کے حوالے کر دیا ہے۔

۱۹۔ لاہور بمقام منصورہ (پاکستان، صوبۂ پنجاب)

۲۰۔ لاہور (پاکستان، صوبۂ پنجاب) مرحوم کی وفات کی وجہ سے اب یہ کتب خانہ معدوم ہوگیا ہے۔ شنید ہے کہ بہت سے مخطوطات سردار پور جھنڈیر لائبریری (میلسی) میں منتقل ہوگئے ہیں۔

۲۱۔ کراچی (پاکستان، صوبہ سندھ) امریکہ کے کسی ادارے نے یہ لائبریری خریدی ہے اور اب مشفق خواجہ مرحوم کی وفات کے بعد اس سے استفادہ قدرے مشکل ہے۔

۲۲۔ پاکستان، فیصل آباد۔

۲۳۔ ایضاً۔

۲۴۔ پاکستان (ملتان، میلسی)

۲۵۔ ''تحقیق کا فن''، ص۱۵۰۔

۲۶۔ ایضاً: ص۱۴۸۔

۲۷۔ ایضاً: ص۱۴۳۔

۲۸۔ ایضاً: ص۱۵۹۔

۲۹۔ ایضاً: ص۱۴۲۔

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

کتابیات

۱۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر: ''اُردو میں اُصولِ تحقیق''، جلد اوّل، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء۔

۲۔ گیان چند، ڈاکٹر: ''اُردو میں تحقیق کا فن''، لکھنؤ، اتر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۹۰ء۔

۳۔ ضیاء اللہ کھوکھر: ''نوادرات''، گوجرانوالہ، ناشر: ضیاء اللہ کھوکھر (مرتب)، ۱۹۹۸ء۔

o < ------ > o

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com